تعارف مہمان مقرر

مولانا سعید اکبر آبادی مدظلہٗ

—— پروفیسر محمد اسلم

سامعین باتمکین !

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس پُر وقار تقریب کے صدر گرامی قدر پروفیسر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا آپ حضرات سے تعارف کرانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ میرے لیے یہ ایک کٹھن کام ہے۔ صاحبِ صدر گوناگوں خوبیوں کے مالک اور برعظیم پاک و ہند کے نامور عالمِ دین ہیں۔ اس لیے اس مختصر سے مقالے میں ان کا تعارف کما حقہٗ کرانا ممکن نہیں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا آبائی وطن بچھرایوں ضلع مراد آباد ہے، جو گجرولہ کے نزدیک رؤسا اور شرفا کی مشہور بستی ہے۔ مولانا کے والد مرحوم و مغفور ڈاکٹر ابرار حسن آگرہ میں پریکٹس کرتے تھے اور انہوں نے اپنے فن میں بڑا نام پایا تھا۔

مولانا اکبر آبادی صاحب آگرہ میں ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ اسی مناسبت سے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ اکبر آبادی لکھنا شروع کیا۔

مولانا اکبر آبادی کی ولادت کا واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ ڈاکٹر ابرار حسین مرحوم کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی۔ اور اس کے بعد کئی سال تک اور کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنی اکلوتی بچی کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک بار موصوف طاعون کے کسی مریض کو دیکھ کر اپنے گھر آئے تو بچی فرطِ محبت سے ان کے ساتھ لپٹ گئی اور اسے Infaction ہوگئی۔ دوسرے تیسرے دن اس کی بغل میں طاعون کی علامت نمودار ہوئی اور بچی اپنے خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ گئی۔

اکلوتی بیٹی کی وفات کا ڈاکٹر صاحب پر اتنا اثر ہوا کہ ان کا دل دنیا سے اُچاٹ

ہوگیا اور موصوف نے برِ عظیم سے ہجرت کا عزم کرلیا۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ وہ حجاز مقدس چلے جائیں اور وہیں بقیہ زندگی گزاریں۔

ڈاکٹر صاحب ہجرت کی اجازت لینے کے لیے اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالغنی منگلوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے دامنِ ارادت سے اُردو کے نامور شاعر اصغر گونڈوی، اور جگر مرادآبادی وابستہ تھے۔ جگر نے شعلۂ طُور میں اپنے مرشد گرامی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ؎

پابندِ شریعتِ نبیؐ ہوں
خاکِ درِ دولتِ غنی ہوں

حضرت شاہ عبدالغنی نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں فرزند سعید عطا فرمائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرشد کے کہنے پر ہجرت کا ارادہ ترک کردیا۔ دو تین سال یونہی گذر گئے۔

ڈاکٹر صاحب دوبارہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے کہا تو تھا کہ اللہ تعالیٰ فرزندِ سعید عطا کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب پُرامید ہوکر واپس لوٹے اور کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی مراد پوری کردی۔

جس صبح مولانا اکبرآبادی عدم سے وجود میں آئے، اُسی شب ڈاکٹر صاحب نے خواب میں اکابرینِ دیوبند کو دیکھا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد دی اور فرزندِ سعید کی ولادت پر اظہارِ مسرت فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے نومولود کا نام سعید احمد رکھا۔

مولانا بچپن ہی سے بڑے ذہین اور فطین تھے۔ آٹھ نو برس کی عمر میں مشکل سے مشکل شعر کا صحیح مفہوم بیان کردیتے تھے۔ اُن کے نانا محمد ابراہیم مرحوم نے اپنے داماد ڈاکٹر ابرار حسین کو تاکید کی کہ وہ اپنے فرزند کی تربیت میں کوتاہی نہ کریں۔

مولانا سعید احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم آگرہ میں ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے مشرقیہ کے امتحانات پاس کیے اور اس سلسلے میں ان کا قیام لاہور میں بھی رہا۔ اُس زمانے میں لاہور علم و ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ علامہ اقبال، مولانا تاجور نجیب آبادی، مولانا ظفر علی خان، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، اختر شیرانی، محمد دین تاثیر، حفیظ جالندھری، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر مولوی محمد ش

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ڈاکٹر عنایت اللہ، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور ڈاکٹر برکت علی قریشی جیسے فضلاء کے دم قدم سے لاہور کی ادبی محفلیں قائم تھیں۔ شام کے وقت حضوری باغ میں شاعر اور اہلِ علم جمع ہوتے اور دیر تک علمی موضوعات پر گفتگو رہتی۔ مولانا ان محافل میں شریک ہوتے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ کے درسِ قرآن کا پورے ملک میں شہرہ تھا۔ موصوف امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے شاگرد رشید تھے اور انہوں نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے فلسفہ کی روشنی میں قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تھا۔ مولانا اکبرآبادی اُن کے درس میں بھی شریک ہُوا کرتے تھے۔

سکول اور کالج کی تعلیم کے بعد ڈاکٹر ابرار حسین صاحب نے ان سے کہا کہ یہ تعلیم تو انہوں نے اپنی مرضی سے حاصل کی ہے لیکن اب اُن کی مرضی سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو جائیں۔

جب مولانا اکبرآبادی دارالعلوم میں داخل ہوئے تو اُس زمانے میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کے درسِ حدیث کا شہرہ برِعظیم سے نکل کر مصر و شام تک پہنچ چکا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ شارح مسلم شریف دینی حلقوں سے اپنی علمیت کا سکّہ منوا چکے تھے۔ علامہ ابراہیم بلیاوی منطق و فلسفہ میں استادِ کُل مانے جاتے تھے۔ مولانا اعزاز علی دیوبندی عربی ادب پر آخری سند تسلیم کیے جاتے تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی اپنے ورع و تقویٰ کے لیے ضرب المثل تھے۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحب پیدائشی ولی مانے جاتے تھے۔ اُسی زمانے میں مولانا رسول خان مرحوم، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مرحوم، مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی بھی دارالعلوم میں مصروفِ تدریس تھے۔

مولانا اکبرآبادی صاحب نے ان تمام حضرات سے استفادہ کیا۔ یہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اپنے زمانے کے نامور اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔

۱۹۲۶ء میں انہوں نے فریضۂ حج ادا کیا۔ سفرِ حج میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا محمد سہول بھاگلپوری، مفتی محمد کفایت اللہ — اور

شفیع داؤدی جیسے بزرگ ان کے ہم سفر تھے۔

دیوبند سے فراغت کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ ڈابھیل میں بھی گذارا۔ اُن دنوں مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا حفظ الرحمٰن سوھاروی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی وہیں تھے۔ مولانا اکبر آبادی بھی عملۂ تدریس میں شامل ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر کے شاہ صاحب کی دعاؤں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں داخل ہو گئے۔ یہیں سے انہوں نے ایم۔اے کیا اور پھر اسی کالج کے عملۂ تدریس میں شامل ہو گئے۔ اسی کالج میں جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

مولانا اکبر آبادی صاحب نے مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں بھی چند سال پڑھایا ہے۔ وہیں عبدالصمد صارم اور مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے ان سے پڑھا تھا۔

مولانا اکبر آبادی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی نے مل کر ۱۹۳۸ء میں "ندوۃ المصنفین" کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ اب ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اب تک اسلام کے بارے میں اس ادارے نے صدہا ٹھوس اور تحقیقی کتابیں شائع کی ہیں۔

۱۹۳۸ء میں ہی ندوۃ المصنفین سے ماہنامہ "برہان" نکلنا شروع ہُوا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک مولانا اکبر آبادی ہی اس مجلّہ کے مُدیر ہیں۔ اگر ان کے صرف اداریے ہی جمع کیے جائیں تو اُن کی ضخامت ہزاروں صفحات تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر ان کی تمام تصانیف اور تحریروں کو ایک جگہ رکھا جائے تو ان کی طوالت اِن کے قد سے بڑھ جائے گی۔

مولانا اکبر آبادی صاحب کی تصانیف میں سے صدّیق اکبر، عثمان ذوالنورین، غلامانِ اسلام، اسلام میں غلامی کی حقیقت، مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد، مسلمانوں کا عروج و زوال، وحیٔ الٰہی، فہمِ قرآن، خطباتِ اقبال پر ایک نظر، چار علمی مقالات اور نفثۃ المصدور، اور ہندوستان کی شرعی حیثیت خاص طور پر مشہور ہیں۔ انہیں عربی، انگریزی، فارسی اور اردو پر یکساں عبور حاصل ہے، اور

چاروں زبانوں میں بڑی روانی کے ساتھ تقریر کرلیتے ہیں۔

مولانا اکبرآبادی صاحب ۱۹۴۷ء تک سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں پڑھاتے رہے۔ تقسیم ہند کے وقت اِن کا گھر بھی لُٹا اور موصوف بمشکل تمام اپنی جان بچاکر اہل و عیال سمیت مرادآباد تشریف لے گئے۔ جب ذرا امن ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے اِن سے کہا کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کا تمام عملہ اور طلبہ مشرقی پاکستان چلے گئے ہیں۔ آپ کلکتہ جاکر اس مدرسہ کو دوبارہ کھولیں۔ ۱۹۴۸ء میں مولانا اکبرآبادی صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ یہ پہلے ہندوستانی عالم تھے جو اس منصب پر فائز ہوئے۔ ان سے پہلے تقریباً پونے دوسو سال تک انگریز ہی اس مدرسہ کے پرنسپل رہے تھے۔ اِس ضمن میں سرڈینی سن راس اور مارگولیتھ کے نام خاص طور پر لیے جاسکتے ہیں۔

مولانا اکبرآبادی ۱۹۵۹ء تک مدرسہ عالیہ کے پرنسپل رہے۔ انہوں نے مدرسے کو، جو بالکل ختم ہوچکا تھا، دوبارہ کھولا اور پورے ملک سے نامور علماء و فضلاء کو بلاکر مدرسے میں درس و تدریس کا فریضہ سونپا۔

۱۹۵۹ء میں موصوف علی گڑھ تشریف لے آئے۔ یہاں انہیں سُنّی دینیات کے شعبہ کا صدر اور فیکلٹی آف تھیالوجی کا ڈین مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد موصوف FULL پروفیسر بنادیئے گئے۔

علی گڑھ میں قیام کے دوران میں ہی انہیں کینیڈا کی Mc Gill یونیورسٹی سے آفر ہوئی اور موصوف ایک سال کے لیے کینیڈا تشریف لے گئے۔

۱۹۶۷ء میں میرا اِن سے قریبی تعلق قائم ہُوا۔ یوں تو ۱۹۵۵ء سے ہم ایک دوسرے سے آشنا تھے اور ہماری پہلی ملاقات کلکتہ میں ۱۹۵۵ء میں ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۶۷ء کے اوائل میں مولانا نے مجھے اپنی فرزندی میں قبول کرلیا۔ اس کے بعد میں ہر سال علی گڑھ جانے لگا۔ موسمِ گرما کی تعطیلات ان کے ساتھ گزارتا اور ان سے اور علی گڑھ کے دوسرے فضلاء سے خوب استفادہ کرتا۔

علی گڑھ یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد مولانا اکبرآبادی صاحب تغلق آباد دہلی میں ہمدرد کے ایک تحقیقی ادارے سے منسلک ہوگئے اور وہاں اندازاً چار سال تک کام کرتے

رہے۔ اس دوران میں انہوں نے شیخ الرئیس بو علی سینا کی القانون کو مرتب کیا۔
ہمدرد سے فارغ ہونے کے بعد موصوف کالی کٹ یونیورسٹی میں Visiting Professor مقرر ہوگئے۔ وہاں ایک سال رہنے کے بعد علی گڑھ واپس آئے تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انہیں اپنے ہاں Visiting Professor بنادیا۔ جب یہ مدت پوری ہوئی تو دارالعلوم دیوبند میں اِن کے لیے شیخ الہند اکادمی قائم کی گئی۔ موصوف اس اکادمی کے ڈائرکٹر ہیں۔ دیوبند میں قیام کے دوران میں مولانا اکبر آبادی صاحب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے ہیں جس میں اساتذہ اور منتہی طلباء شریک ہوتے ہیں۔
دراصل دیوبند میں ان کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مہتمم صاحب کے ساتھ ایک جید عالم بھی ہر وقت موجود رہیں، جن سے مہتمم صاحب اہم امور میں مشورہ لیتے رہیں۔
مولانا اکبر آبادی صاحب کا شمار بھارت کے چند گنے چُنے علماء میں ہوتا ہے۔ موصوف کئی بار غیر ممالک میں مختلف علمی کانفرنسوں میں بھارت کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ موصوف جنوبی افریقہ کے دینی حلقوں میں بھی جانے پہچانے بزرگ ہیں۔ اور متعدد بار جنوبی افریقہ کا دورہ کر چکے ہیں۔
مولانا اکبر آبادی صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جتنی اُن کی نظر وسیع ہے، اُتنا ہی اُن کا دل بھی وسیع ہے۔ موصوف ہاتھ کے سخی اور دل کے غنی ہیں، کیوں نہ ہو، آخر کو شاہ عبدالغنی کی دُعا سے پیدا ہُوئے ہیں۔
اِن دنوں مولانا اکبر آبادی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات وسیرت لکھنے کا سلسلہ شروع کر چکے ہیں۔ اس سے قبل صدیق اکبرؓ اور عثمان ذوالنورینؓ پر تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ، یہ سعادت اِن ہی کے حصّے میں آئی ہے کہ خلفائے راشدین کی حیات وسیرت پر شاہکار کتابیں تحریر فرمائیں۔ مَیں اِن کتابوں کو اِن کے لیے زادِ آخرت سمجھتا ہوں۔
مولانا اکبر آبادی صاحب دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین ہیں اور دارالعلوم کی ترقی وتوسیع کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں عمرِ خضر کے ساتھ دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کا موقع عطا فرمائے۔